سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِي معنی اور مفہوم

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَقَدۡ ءَاتَيۡنَٰكَ سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِي وَٱلۡقُرۡءَانَ ٱلۡعَظِيمَ ﴿٨٧﴾

اور یہ حقیقت ہے کہ ہم جناب نے آپ (ﷺ) کو پنہاں کو ظاہر کے روبرو کرتے رمتناظر

[Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ میں سے منتخب فرمائی ہوئی سات صریحاً واضح آیات عطا فرمائی ہیں۔

اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے۔(سورۃ الحجر۔۸۷)

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِي اول، ابتدائی سورۃ ہے جس کا نام الفاتحۃ ہے۔اِس کا ایک نام الحمد بھی ہے۔اِس میں سات (سَبۡعًا) آیتیں ہیں اور اِس کے بعد قرآنِ مجید کی ایک سو تیرہ سورتیں ہیں جن میں چھ ہزار دو سو انتیس آیات مبارکہ ہیں۔

وَقُرۡءَانٗا فَرَقۡنَٰهُ لِتَقۡرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكۡثٖ وَنَزَّلۡنَٰهُ تَنزِيلٗا ﴿١٠٦﴾ (الاسراء۔۱۰۶)

اور ہم نے الگ الگ حصوں (سورتوں/آیتوں) میں منقسم کیا ہے اِس قرآن مجید کو تا کہ آپ (ﷺ) توقف توقف سے تدوین وترتیل فرما کو لوگوں کو سنائیں۔لوگ جان لیں کہ ہم نے اسے بتدریج رو قفے وقفے سے (آیتوں/سورتوں میں) نازل کیا ہے"

قرآنِ مجید سورتوں کی صورت میں الگ الگ کیا گیا ہے اور سورتیں آیات پر مشتمل ہیں۔ارشاد فرمایا:

سُورَةٌ أَنزَلۡنَٰهَا وَفَرَضۡنَٰهَا وَأَنزَلۡنَا فِيهَآ ءَايَٰتِۢ بَيِّنَٰتٖ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ ﴿١﴾

"ایک سورۃ جسے ہم نے نازل کیا ہے۔اور اِسے ہم نے معین ومقرر (ہمیشہ کیلئے) کر دیا ہے اور ہم نے اِس سورۃ میں آیات نازل کی ہیں واضح اور متمیز کر دینے والی تا کہ تم لوگ یاداشت میں تسلسل سے محفوظ رکھ سکو رنصیحت لے سکو" (النور۔ا)

قرآنِ مجید کی "سپاروں" اور سورتوں کی "رکوعوں" میں تقسیم بعض لوگوں نے اپنے تئیں تلاوت کی سہولت اور حساب کیلئے کی تھی۔

ٱلۡمَثَانِي (معرفہ جمع مکسر مجرور، مؤنث۔واحد مَثۡـنَـیٰ) کا مادہ "ث ن ی" ہے جس میں سمویا بنیادی تصور کسی شئے (جیسے کپڑا، چادر) کو دہرا کرنا یا تہہ کرنا یا کسی چیز (جیسے درخت کی شاخ) کو موڑ کر دہرا کرنا، کسی شئے کی ایک حد/کنارے کو موڑ کر اُس کے دوسرے کنارے سے باہم گر ملانا ہے۔یہ دہرے/ folding کئے جانے کے مقام کی بھی نشاندہی [signifiy] کرتا ہے۔

جب ہم کسی شئے کو دہرا/ fold کرتے ہیں تو اُس کے دونوں حصے ایک دوسرے کے روبرو/confronting ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کا عکس بنتے اور ایک دوسرے کو منعکس/ mirror کرتے ہیں۔

اِس میں کسی چیز کے حصوں کے تہہ بر تہہ/ as layers یا ایک دوسرے کے ساتھ متصل انداز یعنی بصورت مجموعہ/ bundle کے موجود ہونے کا تصور موجود ہے۔

استثناء کے معنی ہیں کسی کو مستثنیٰ کرنا(set aside as exluded, excepted)، الگ نکال کر رکھ دینا، چھانٹ لینا۔

الاثنان۔دو، ایک کا دگنا۔

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى اور قرآنِ عظیم مجموعی طور پر ایک سو چودہ سورتیں بن جاتی ہیں جو ستاون کا دگنا ہے۔اور دونوں کی آیات کا مجموعہ چھ ہزار دو سو چھتیس بنتا ہے۔اگر سورتوں یا آیات مبارکہ کی گنتی کی تعداد طاق ہوتی تو لفظ ٱلۡمَثَانِى میں پنہاں تصور مجروح ہوتا کیونکہ طاق تعداد کسی کا دہرا، دگنا نہیں ہوتی۔اور یہ بھی یاد رہے کہ جفت ہمیشہ طاق ہی سے بنایا جاتا ہے چاہے انسان ہو (نفس واحدہ، اور پھر اُس ایک نفس میں سے عورت کی تخلیق، زوج، جفت بنادیا) یا اعداد کی گنتی۔

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى میں لفظ سَبۡـعًـا مؤنث اشیاء کی تعداد سات ہونے کا اظہار کرتا ہے۔اور یہ ماقبل متعدی فعل کا دوسرا مفعول به ہے جس کی بناء منصوب ہے اور تنوین مضاف الیہ کے مخذوف ہونے کی نشاندہی کرتی ہے جو اسم عدد کے مؤنث اشیاء سے متعلق ہونے سے قاری اور سامع کیلئے بالکل واضح ہے۔قرآنِ عظیم کیلئے صیغہ ہمیشہ مذکر اور اِس کی سورتوں اور آیات کیلئے صیغہ مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

مِّنَ ٱلۡمَثَانِى جار و مجرور ماقبل مفعول بـه کی مخذوف صفت سے متعلق ہے۔حرف مِّنَ کے معنی کل میں سے بعض ہیں (اسے تبعیض کہتے ہیں)۔یہاں حرف ''مِن'' کے معنی ''کل میں سے بعض'' (تبعیض) کے علاوہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے قبل اسم عدد (سَبۡعًا) موجود ہے۔

اِس طرح اِن تین الفاظ کے معنی کی روشنی میں سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى کے معنی اور مفہوم یہ ہیں ''پنہاں کو ظاہر کے روبرو کرتے رتناظر [Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ میں سے منتخب فرمائی ہوئی سات صریحاًواضح آیات''

سورة الـفـاتحة: ٱلۡمَثَانِى پنہاں کو ظاہر کے روبرو کرتے رتناظر [Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ میں سے منتخب فرمائی ہوئی سات آیات پر مشتمل ہے۔اور قرآنِ عظیم کے متعلق بتایا

وَقُرۡءَانًا فَرَقۡنَـٰهُ

اور ہم نے اِس قرءانِ مجید کو سر میں مانگ [ٱلۡفَرۡقُ] کی مانند منقسم کر دیا ہے۔(حوالہ الاسراء۔۱۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ایک اطلاع دیتا ہوا یہ فرمان قرءانِ مجید میں صرف ایک بار بیان ہوا ہے۔اور فعل ماضی معلوم فَرَقۡنَـ دو بار، ایک مرتبہ یہاں اور اِس سے قبل سورة البقرة کی آیت ۵۰ میں جہاں خلیج سویز کو، بڑی بڑی ہڈی نما ٹکڑوں کے سطح سمندر پر ابھارنے سے ایک سر کی مانگ کی مانند خشک راستے کے ذریعے، دو حصوں میں منقسم کر دیا تھا۔اِس فعل کا مصدر ''فَــرۡق'' ہے اور مادہ ''ف ر ق''۔

الــفَـرۡق سر کی مانگ کو کہتے ہیں جو دائیں اور بائیں جانب کے بالوں کو ایک دوسرے سے متمیز اور نمایاں کر دیتی ہے۔قرءانِ مجید کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ ٱلۡفُرۡقَانِ ہے (حوالہ البقرة۔۱۸۵) یہ بھی مصدر ہے جو فعل کو ظاہر کرتا ہے۔ایک ایسا پیمانہ، کسوٹی اور جانچ جو دو اشیاء رباتوں رتصورات کو ایک دوسرے سے متمیز اور ممتاز کر کے اِس انداز میں اجاگر اور نمایاں کر دے کہ کسی کیلئے اُن میں سے کسی ایک کے متعلق بھی التباس کا امکان نہ رہے۔قرءانِ عظیم کے اعجاز اور اُس کے یکتا اور منفرد ہونے کے متعلق مزید واضح فرمایا

اَللَّهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَـٰبًا مُّتَشَـٰبِهًا مَّثَانِيَ

''اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ اور کامل ترین کلام (قرآنِ عظیم) نازل فرمایا ہے، [لوگوں تک پہنچایا ہے] بحیثیت ایک کتاب، تشبیہات سے پنہاں کو عیاں کر دینے کی خصوصیت سے مزین، متناظر [Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ کی صورت میں۔''

كِتَـٰبًا مُّتَشَـٰبِهًا مَّثَانِيَ کے معنی یوں واضح فرمائے

تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُودُ ٱلَّذِينَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمۡ

''اِس کلام کے بعض حصوں سے اُن لوگوں کی جلد کپکپانے اور لرزنے لگتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

بعد ازاں اُن لوگوں کی جلد نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔

وَقُلُوبُهُمۡ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِۚ

مزید برآں اُن لوگوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ''ذکر'' (قرآنِ مجید کے بیان) کی جانب خشوع و اخلاص سے متوجہ رہتے ہیں۔

ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهۡدِي بِهِۦ مَن يَشَآءُۚ

یہ قرآن (عظیم) اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے ہر کسی طلبگار ہدایت کو ہدایت فرما دیتا ہے'' (حوالہ الزمر۔۲۳)

قرءانِ مجید کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مَّثَانِيَ (جمع مکسر، منصوب، مؤنث۔ واحد مَثۡـنَـىٰ) ہے جس سے ایک متناظر [Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ کا اظہار ہوتا ہے۔ قرءانِ مجید کے اندر آیات (جمع، مؤنث) کا مجموعہ ہے۔ قرءانِ مجید میں ہر ایک ایک بات کو نکھار کر عیاں فرمایا گیا ہے۔ اِس مَّثَانِيَ مجموعہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَـٰبَ

اُن غالب اور حکمت والے نے آپ (ﷺ) پر کتاب کو نازل فرمایا ہے

مِنۡهُ ءَايَـٰتٌ مُّحۡكَمَـٰتٌ

احکامات اور اٹل اصولوں کے بیان پر مشتمل بنائی گئی آیات اِس کتابِ خاص کے مجموعہ کا ایک جزو ہیں۔ (حوالہ آل عمران۔۷)

آیت مبارکہ هُوَ ٱلَّذِيٓ سے شروع ہوئی ہے اور اِس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی اِن صفات ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ کا بتایا

اِس طرح واضح ہے کہ کتاب کا نزول قوت و غلبہ اور حکمت والے کی جانب سے ہے۔

تَنزِيلُ ٱلۡكِتَـٰبِ مِنَ ٱللَّهِ ٱلۡعَزِيزِ ٱلۡحَكِيمِ ۝ (من وعن سورۃ الزمر۔۱، الجاثیۃ اور الاحقاف۔۲)

''اس کتابِ خاص رقرءانِ مجید کا بتدریج نزول اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو غالب مطلق اور تمام پنہاں کا علم رکھنے والے ہیں''

اور قرآنِ مجید کے متعلق بتایا

تِلْكَ ءَايَـٰتُ ٱلْكِتَـٰبِ ٱلْحَكِيمِ ۝ ''یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں'' (حوالہ یونس۔۱،اورلقمان آیت۔۲)

وَٱلْقُرْءَانِ ٱلْحَكِيمِ ۝٢ ''اور قسم ہے قرآنِ حکیم کی'' (سورۃ یٰس۔۲)

ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ اِس مرکب توصیفی میں موصوف ءَايَـٰتٌ [جمع،مرفوع،مئونث] جملے کا موضوع رمبتداء ہے جسے مئوخر کیا گیااور اِس کی خبر کے متعلق مِنْهُ جارو مجرور کو مقدم فرمایا گیا جس میں واحد مذکر غائب کی ضمیر کتابِ خاص یعنی قرءانِ مجید کیلئے ہے۔اور اِن ءَايَـٰتٌ ،جنہیں کتابِ خاص کے مجموعہ کا ایک جزو بتایا گیا ہے،کی صفت مُّحْكَمَـٰتٌ [جمع،مرفوع،مئونث] ہے۔یہ باب اِفْعَال سے مفعول [Passive Participle] کا صیغہ ہے جس کا مصدر اِحْكَامٌ ہےاور مادہ ''ح ک م''۔جناب ابن فارس نے کہا ہے کہ اِس مادہ کے بنیادی معنی بات سے روک دینا،منع کر دینا ہیں۔روکنے اور منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو بتا دیا جائے کہ اُس کی آخری حد کونسی ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔اور اسی بات کو اختلافی امور میں فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں یعنی ہر کسی کے حقوق وفرائض اور واجبات کی حدیں متعین کر دینا اور کسی کو اُن سے آگے نہ بڑھنے دینا۔اسی کو حُـکم کہتے ہیں۔حاکم کے معنی فیصلہ کرنے والا ہیں اور ظاہر ہے کہ فیصلے وہی کر سکتا ہے جو ٱلْعَزِيزُ یعنی قوت وغلبہ رکھنے والا ہو۔

ٱلْحَكِيمُ کا مادہ بھی ''ح ک م'' ہےاور یہ اُن کیلئے بولا جاتا ہے جو ہر شئے کا صحیح مقام متعین کرے،کسی کو اُن حدود سے آگے نہ بڑھنے دے،وہ جو تمام امور میں صحیح فیصلے کرتا ہے۔جو ٱلْحَكِيمُ ہے وہ اپنی ہر بات،امر،ارادے،حکم،اور فیصلے کے متعلق اُس کے ظاہر،عیاں کو بھی اور اسے بھی جو اُس میں پنہاں،مخفی ہے جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ حکیم ہے کہ کائنات کو اپنے متعین کردہ صحیح راستے پر چلاتا ہے اور ہر شئے کو صحیح اندازے اور تناسب کے مطابق بغیر کسی تفاوت کے پیدا فرماتا ہے اور اپنے طے کردہ اصولوں،قانون،مقدرر پیمانوں کے شکنجے میں کس کر کائنات کی ہر شئے کو مسخر کیے ہوئے ہےاور انسانوں کے اختلافی امور میں فیصلے کرتا ہے۔

ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ اِن آیات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دوسری خبر یہ عطا فرمائی ہے:

هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَـٰبِ

وہ محکم،ثبات ودوام کی حامل بنائی گئی آیات کتاب خاص رقرءانِ مجید کی ماں راصل رمقصد ہیں۔

یہ بھی جملہ اسمیہ ہے جس میں هُنَّ ضمیر منفصل مبنی علی الفتح فی محل رفع ،جمع مئونث غائب مبتداء ہےاور خبر مرکب اضافی کا پہلا اسم أُمُّ ہے جس کی حیثیت معرفہ ہے کیونکہ مضاف الیہ ٱلْكِتَـٰبِ معرفہ ہے۔''کتاب خاص کی مادر خاص''۔

کسی چیز کو ایک مقام پر روک دیا جائے تو جم کر کھڑی ہو جانے کے سبب سے وہ مستحکم،محکم کہلاتی ہے۔اور یوں ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ کے معنی اور مفہوم ایسی مفعول آیات ہیں جنہیں اپنی جگہ پر قائم اور اٹل کر دیا گیا ہے،جن میں بات کی حدود کو متعین کرنے،صاف اور دو ٹوک فیصلہ کرنے والی باتوں ،احکامات اور اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے جو ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ قوت وغلبہ رکھنے والے اور پنہاں کو مکمل طور پر جاننے والے نے صادر فرمائے ہیں جن کی حیثیت ام

الکتاب یعنی کتاب کی اصل کی ہے۔قرآنِ مجید کو اَلْحَكِيمِ قرار دینے سے ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ کے معنی اور مفہوم نکھر کر واضح ہو جاتے ہیں کہ اِن کی باتوں کے معنی و مفہوم، وسعتیں، حدیں متعین، مستحکم ہیں اور تفاوت، تضاد، ٹکراؤ سے آزاد اور مبرا ہیں۔اِس بات کو پھیر کر سورۃ ھود کی ابتدا میں یوں بتایا

كِتَـٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَـٰتُهُۥ "کتاب جس کی آیات کو محکم بنایا گیا ہے"۔

حیات و موت اور کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ انسانوں میں سے أَحْسَنُ عَمَلًا عمدہ عمل کون کرتا ہے۔

اہم ترین سوال یہ ہے کہ أَحْسَنُ عَمَلًا کا پیمانہ، معیار اور کسوٹی کیا ہے؟ کون طے کرے گا کہ فلاں انسان أَحْسَنُ عَمَلًا کی صفات کا حامل ہے اور کون اُس کی ضد ہے؟ أَحْسَنُ عَمَلًا کی اقدار کون طے کرے گا؟ یہ سوال اتنا پیچیدہ نہیں کہ انسانی عقل و فہم اِس کا جواب نہ دے سکے۔ أَحْسَنُ عَمَلًا کے پیمانے، معیار، اقدار، کسوٹی اور حدود کا تعین کرنے کا مجاز وہی ہو سکتا ہے جو تخلیق کرے۔اور جو خالق تخلیق کا مقصد یہ بتائے کہ مخلوق أَحْسَنُ عَمَلًا پر کاربند ہو تو یہ اسی کے ذمہ ہو جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کرے اور حکم دے کہ اُس کے نزدیک أَحْسَنُ عَمَلًا میں کون سے اعمال شامل ہیں اور اُن اعمال سے خبردار کرے جو اُس کے نزدیک أَحْسَنُ عَمَلًا سے خارج ہیں یا اُن کی ضد ہیں۔اور انسان کا ہر عمل اُس کے جسم کے تین مراکز، سینہ، شکم، زیر ناف، میں سے کسی کی خواہشات اور بھوک کو مٹانے اور تسکین کے جذبے کے زیر اثر ہوتا ہے۔انسان کو اپنے جسم کے اِن تین مراکز کی بھوک اور خواہشات کی تسکین کیلئے معاشرتی زندگی کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔اِس لئے أَحْسَنُ عَمَلًا کا تعلق اُن اقدار سے ہوگا جو معاشرے میں انسان کی بھوک کے اِن تین مراکز کی خواہشات کی تکمیل کیلئے ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ میں متعین فرمادی گئی ہیں۔

ہم قرءانِ مجید کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت مَثَانِىَ (جمع مکسر، منصوب، مؤنث۔واحد مَثْنَىٰ) کے متعلق مطالعہ کر رہے ہیں جس سے ایک متناظر [Binary/Symmetrical-analogous] مجموعہ کا اظہار ہوتا ہے۔اِس مَثَانِىَ / مجموعہ، جس کا واحد مَثْنَىٰ یعنی دو دو ہے، اُس کے دوسرے جزو کے متعلق ارشاد فرمایا

وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ

اور اُن کے علاوہ ایسی ثانوی آیات اِس کتابِ خاص کے مجموعہ کا جزو ہیں

جو تشبیہات سے پنہاں کو عیاں کر دینے کا فعل انجام دینے والی ہیں۔ (حوالہ آل عمران۔۷)

ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ کی طرح وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ بھی مرکب توصیفی ہے۔لیکن پہلی والی آیات سے بالکل مختلف کہ اِن کی صفت مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ ہے جو باب تفاعل کا اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی ایسی آیات جو اشیاء اور تصورات کے مابین باہمی تعلق اور پنہاں حقیقتوں کو تشبیہات [Metaphors] کے ذریعے سامع اور قاری کے تصور [Perception] میں اجاگر کرنے کا فعل انجام دیتی رہیں گی۔تشبیہ کے معنی کسی چیز کو اُس سے ملتی جلتی لیکن پنہاں چیز سے بیان اور واضح کرنا ہیں۔مثال ظاہری مماثلت اور محسوس

حوالے سے ہوتی ہے لیکن تشبیہ ایسی مماثلت کی نشاندہی کرتی ہے جو پنہاں، مخفی ہوتی ہے۔تشبیہ محکم کی ضد (antonym) نہیں ہے۔قرآنِ مجید کی مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ آیات اس کی ءَايَـٰتٌ مُّحۡكَمَـٰتٌ کی ضد نہیں بلکہ ان کے علاوہ ہیں۔

''مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ'' کے معنی ، غیر محکم، غیر واضح، (vague-ambiguous) وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ کسی بات کو کسی کیلئے مثال کے ذریعے واضح کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس سے قبل بات غیر واضح (vague) تھی۔ سوجھ بوجھ، فکر، عقل، علم کے حوالے سے لوگوں کی ذہنی سطح ایک جیسی نہیں ہوتی۔تشبیہ دینے کا مقصود کسی کو اشتباہ اور التباس میں مبتلا کرنا نہیں ہوتا بلکہ علمی، فکری، مادی یا زمان ومکان سے ماوراء کسی شئے کے بارے میں پنہاں حقیقتوں، علم کی لطافتوں، نزاکتوں اور باریکیوں کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔
جن کی سوچ کے زاویے درست ہوتے ہیں وہ کم علمی کی بناء پر ان تشبیہات سے حقیقت کی تہہ تک چاہے نہ پہنچ سکیں لیکن کسی التباس کا شکار بھی نہیں ہوتے۔جن کے دلوں میں میل (ٹیڑھا پن) ہوتا ہے اور جو در حقیقت حکم کی اطاعت کرنا نہیں چاہتے انہیں گائے کی عمر اور رنگ بتائے جانے کے بعد بھی شبہ ہوتا ہے کہ کون سی گائے کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔
سوال یہ ہے کہ کیا کسی بھی شخص کے ایمان اور یقین میں اضافہ کا سبب محض یہ بات بن سکتی ہے کہ اُسے فلاں عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور فلاں عمل سے منع کر دیا جائے یا اعمال کے متعلق احکامات دینے کی وجہ سے اہل ایمان کے بدن میں خوف کی لہر دوڑنے اور جلد کے کپکپانے اور لرزنے، رونگٹے کھڑے ہونے کا کیا کوئی جواز بنتا ہے؟ بدن میں خوف کی لہر اُس وقت دوڑتی ہے اور رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب پنہاں ظاہر ہو کر نظروں کے سامنے یا ادراک میں آجائے۔ یہ مثبت خوف ہے جس کا نتیجہ خیر ہے جس کے بعد ازاں جلد اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ اگر پنہاں عیاں ہونے پر اللہ کے خوف سے دل میں لرزہ طاری نہ ہو تو قلوب سخت ہو جاتے ہیں۔
جب تشبیہ اور اُس کی اصل تَأۡوِيلُ تعبیر، نتیجہ آمنے سامنے آجائیں تو پنہاں ظاہر ہو کر احاطہ ادراک میں آجاتا ہے۔حقیقت مشہود ہونے پر دلوں پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔اور حقیقت عیاں ہونے پر طاری ہونے والا یہ خوف ایمان اور یقین کو پختہ اور غیر متزلزل کر دیتا ہے، دل نرم ہو جاتے ہیں۔ساحروں نے فرعون کے دربار میں حقیقت کو عیاں ہوتے دیکھا تو سجدہ ریز ہو گئے۔آیات متشابہات نے اہل علم کیلئے پنہاں حقیقتوں کو زمان ومکان پر محیط تشبیہات سے سمجھاتے رہنا ہے یہاں تک کہ جب وہ پنہاں حقیقتیں عیاں ہو کر اُن کی بصارتوں کے احاطہ میں آئیں گی تو انہیں وہ حقیقت اُس تشبیہ کے مطابق ہی دکھائی دے گی۔

سَنُرِيهِمۡ ءَايَـٰتِنَا فِى ٱلۡأَفَاقِ وَفِىٓ أَنفُسِهِمۡ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُ ٱلۡحَقُّ

''ہم آفاق کے گوشے گوشے اور خود اُن کے جسموں میں پنہاں مادی حقیقتوں (علم ءَ ايَةٍ کا ہوتا ہے) کا قرآنِ مجید کا انکار کرنے والوں کو نظری مشاہدہ کراتے رہیں گے اِس مقصد سے کہ اُن پر واضح ہو جائے کہ یہ قرآنِ مجید بیانِ حقیقت ہے'' (حوالہ فصلت۔۵۳)۔
قرآنِ مجید کی آیات میں آفاق اور نفس انسان کے متعلق بیان کیا گیا علم بتدریج انسان کے مشاہدے میں آئے گا کہ علم ہمیشہ ظاہر سے پنہاں کی جانب سفر کرتا ہے اور پنہاں جب نظروں میں آجائے تو پھر اس پنہاں کو مشاہدے میں آنے سے قبل ازیں بتانے والے کے بیان کے متعلق انسان کو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بیانِ حقیقت ہے۔

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى یعنی سورۃ الفاتحۃ اور قرآنِ عظیم کی ایک سو تیرہ سورتوں کی آیات میں واضح فرق یہ ہے کہ اِس سورۃ کے الفاظ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ایک انسان کہتا ہے اگرچہ اُس کے اپنے چنے اور مرتب کئے ہوئے یہ کلمات نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مرتب کئے ہوئے ہیں مگر اِن سے قبل لفظ "قُلْ" (آپ، تو، تم کہہ، کہو) نہیں ہے جبکہ قرآنِ عظیم کی ایک سو تیرہ سورتوں میں رسول کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں سے اللہ تعالیٰ سے یا دوسرے انسانوں سے مخاطب ہو کر جب بھی کوئی بات کہنی یا بتائی جانی ہو تو اِس سے قبل لفظ "قُلْ" آیا ہے۔ جب کوئی بھی شخص کسی دوسرے سے مخاطب ہو کر کچھ کہتا ہے تو یہ قول کہلاتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ جب لوگوں سے مخاطب ہو کر کوئی بات فرماتے ہیں تو یہ قولِ رسول کریم ﷺ کہلائے گا۔ لیکن لفظ "قُلْ" واضح کر دیتا ہے کہ قولِ رسول کریم ﷺ میں جو بات (حدیث) کہی گئی ہے وہ بات (حدیث) آپ ﷺ کی اپنی نہیں ہے بلکہ حدیث اللہ ہے۔ قول سے قبل حدیث موجود ہوتی ہے کیونکہ قول میں حدیث بیان ہوتی ہے۔ قرآنِ عظیم غیر مسلموں کو سنانے کیلئے اور اُس پر ایمان لانے والے مسلموں کے پڑھنے کیلئے سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى ہے اور اُن کیلئے قرآنِ عظیم زمان و مکان کے لمحات میں ھادی، رہنما ہے کہ ہر لمحے اور ہر کسی قسم کے حالات اور مسائل میں عمل اور اتباع کیلئے اُس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِى یعنی سورۃ الفاتحۃ واحد سورۃ ہے جس کی ابتداء میں ایمان والوں کیلئے آیت ہے:

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

"اللہ تعالیٰ کے اسم ذات الرحمٰن سے ابتدا ہے جو منبع رحمت ہے"

قرءانِ مجید کے طبع شدہ رتحریری نسخوں میں ہر سورۃ [سوائے سورۃ التوبہ] کے آغاز میں بغیر نمبر کے اِس آیت مبارکہ کو مسلم عوام الناس کی سہولت کیلئے اِس وجہ سے شامل کیا جاتا ہے کہ اِس حکم کی تعمیل ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھنے کی ابتداء اِن الفاظ سے کرنی ہے۔ اِس آیت مبارکہ کو بغیر نمبر کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ عظیم کی ایک سو تیرہ سورتوں کی ابتداء میں یہ آیت مبارکہ اصل تحریر [Text] کا حصہ نہیں ہے کیونکہ قرآنِ عظیم ہر ایک انسان کیلئے نازل فرمایا گیا ہے جن میں وہ بھی شامل ہیں جو زمان و مکان کے کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کو ماننے ہی سے انکاری ہیں۔ اِس لئے قرآنِ عظیم اگر ایسی کتاب کی صورت دیا جاتا جس کی ابتدا الٓمٓ ﴿١﴾ ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَـٰبُ لَا رَيۡبَ ۛ فِيهِ ۛ کی بجائے اِس آیت مبارکہ سے ہوتی تو ایسے لوگوں کی جانب سے پہلے جملے پر ہی اعتراض اٹھایا جا سکتا تھا اور اسے پڑھنے ہی سے انکار کر دینے میں حق بجانب ہوتے کہ جس بات کو ہم مانتے ہی نہیں اُس سے ابتداء کر کے ہم اِسے کیوں سنیں یا پڑھیں۔ رسول اللہ کے الفاظ پر قابل قبول اعتراض ہو گیا تھا کہ اگر معاہدے میں یوں لکھ دیا جائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے کے ایک فریق کو ہم نے رسول اللہ تسلیم کر لیا ہے تو پھر جھگڑا کیا اور معاہدہ کیا۔

سَبۡعًا مِّنَ ٱلۡمَثَانِي صرف اُن لوگوں کیلیۓ ہے جو اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآنِ عظیم پر ایمان رکھتے اور لے آتے ہیں یہ غیر مسلموں کیلیۓ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم (ٱلۡمَثَانِي) کی ایک سو تیرہ سورتوں کی چھ ہزار دو سو انتیس آیات کے مواد میں سے چھانٹ کر، الگ کر کے سات آیات پر مشتمل ایک سورۃ اِس انداز میں مرتب کر کے عطا کی ہے کہ اِن آیات کے الفاظ وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآنِ عظیم پر ایمان لانے والوں کیلیۓ بار بار دہرائے جانے کیلیۓ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اُنہوں نے ہمیں وہ کلمات بھی مرتب کر کے دیۓ ہیں جن الفاظ میں اُن سے ہم نے مخاطب ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی بھول پر بھی اظہار ندامت کیلیۓ کلمات ہمیں سکھائے تھے:

فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٖ فَتَابَ عَلَيۡهِۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ٣٧

''اِس لئے ربسبب احساس ندامت آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے عرض مدعا کیلیۓ چند کلمات سیکھ کر از بر کر لئے جن کی ادائیگی پر اُنہوں نے اُن کی معذرت کو قبول فرمالیا۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ ندامت سے لوٹنے والوں کی توبہ کو یقیناً توجہ و درگزر سے قبول فرما کر انتہائی رحم فرمانے والے ہیں'' (البقرۃ۔۳۷)